ڈاکٹر سید زاہد علی واسطی

آزمائش شرط ہے

اشرف المخلوقات:

کائنات کی ہر چیز میں اس کی تخلیق کے ساتھ ساتھ خالق کائنات نے ہدایت اور راہنمائی رکھ دی ہے۔ جس کے بہت سارے درجات ہیں۔ جس میں جمادات ونباتات تو قانونِ قدرت کے مکمل پابند ہیں۔ ان میں ارادے اور اختیار کا کوئی شائبہ بھی موجود نہیں' مگر حیوانات میں خود اختیاری حرکات کا سرزد ہو جانا حیوان اور حیوان ناطق کے بس میں ہوتا ہے۔ یہ سب حرکات ان کی جبلت (Instincts) میں داخل ہیں اور ان کے تابع فرمان یا ان کی خواہشات کے تابع ہوتی ہیں۔ انسان میں ارادہ اور اختیار کی آزادی سب سے زیادہ پائی جاتی ہے اور اس ہی ارادے اور اختیار کا شرف انسان کو بلند و برتر کر دیتا ہے۔ اس ہی لئے یہ انسان اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔ اگر انسان میں یہ جبلت نہ ہو تو اس کو اشرف المخلوقات کہلوانے کا کوئی جواز نہیں۔

اس اشرف المخلوقات میں یہ خوبی شرافت و کرامت اور فوز و فلاح کی بنیاد ہے کہ انسان سرتابی اور سرکشی کا اختیار رکھتے ہوئے بھی اپنے خالق کی اطاعت و تابعداری کرتا رہے۔ بدی کی استعداد (Power) رکھتے ہوئے بھی نیکی اور پارسائی کی راہ اختیار کرے۔ انتقام پر قادر ہوتے ہوئے بھی عفو و درگزر سے کام لے۔ اپنے جبلی اختیارات' ارادے' منصوبوں پر گرفت رکھنے کے باوجود شرافت اور انسانیت سے کام لے۔ اگر انسان کو فطرت کی طرف سے جمادات کی مانند پابند کر دیا جاتا اور اختیارات کی طاقت نہ عطا کی گئی ہوتی اور مجبور محض ہوتا یا جبلی طور پر پابند ہوتا تو نیکی' شرافت' دیانت' اطاعت کا مجسمہ بن جاتا۔ پھر نہ اس کے حساب کتاب لکھنے کے لئے فرشتوں کو اس کے کندھوں پر بٹھانے کی ضرورت ہوتی نہ روز محشر حساب و کتاب پیش کرنے کی' نہ سزا و جزا کی' بس سب کے سب جنت میں مزے کرتے۔

انسان اور دیگر حیوانات کی تخلیق میں ایک بنیادی فرق اور ہے۔ دنیا کے ہر حیوان نے جو کچھ بننا ہوتا ہے خود بن جاتا ہے' فطرت نے اس کے اندر جو کچھ بننے کے امکانات رکھے ہیں وہ خود بخود تکمیل کو پہنچ کر اس کو اپنی نوع کا مکمل فرد بنا دیتے ہیں۔ شیر کا بچہ شیر بن جاتا ہے اور بکری کا بچہ بکری بن جاتا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ شیر کا بچہ گھاس کھائے اور بکری کا بچہ گوشت۔ یہ کام ان کی صوابدید پر نہیں ہوتا بلکہ قدرت نے ان کی فطرت ایسی ہی بنائی ہے۔ اس کے برعکس انسان کے بچہ میں قدرت نے جو مضمر صلاحیتیں رکھی ہیں۔ وہ دیگر حیوانات میں نہیں ملتیں۔ اس کے طبعی و حیوانی صلاحیتیں دیگر بہت مختلف ہیں۔ یعنی دیگر حیوانات کی طرف از خود نشو و نما پا کر انسان تو بن جاتا ہے مگر طبعی صلاحیتوں کے

لئے مناسب تعلیم وتربیت کی ضرورت پڑتی ہے جو اسے معاشرے اور ماحول کے مطابق ملتی ہیں اور وہ ان سے بہرہ ور ہوتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حیوانات کے جبلی حرکات کے برخلاف انسان میں اختیار وارادے کے ساتھ ضمیر اور عقل کی صلاحیت ودیعت کردی ہے۔ان میں سے ضمیر تو انسان کو اچھے اور برے کی تمیز سکھاتا ہے اور ہمیشہ نیکی کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔مگر کوئی بدفطرت انسان اگر ہمیشہ اپنے ضمیر کی آواز کو دباتا رہے اور اس کی بات نہ سنے تو ضمیر پھر مردہ ہو جاتا ہے اور ترغیب کم یا بند کردیتا ہے۔لیکن عقل اکثر وبیشتر مفاد خویش یعنی ''یہ کام کیوں کروں؟ اس میں میرا کیا فائدہ ہے؟ وہ کروں جس میں فائدہ زیادہ ہو نقصان نہ ہو'' کی جانب کھینچ کر لے جاتی ہے۔ان دونوں رجحانات میں توازن پیدا کرنے کے لئے اور انسان کی راہنمائی کے لئے انسانوں میں ہی اسے ایسے نیک بندوں کا انتخاب کیا جو سیرت وکردار اور اخلاق واطوار کے اعتبار سے ہم سے ہزاروں درجہ بلند وبالا' بے داغ اور ہر شک وشبہ سے بالاتر تھے۔ان پر وحی کے ذریعے اپنا پیغام ہدایت نازل فرماتے رہے۔جنہیں انبیاء علیہم السلام کہا جاتا ہے جن لوگوں نے ان کی بات مان لی وہ لوگ اچھے انسان یا اہل ایمان کہلائے۔

ایمان:

ایمان بالغیب ہی اسلام کی مسلمہ اساس ہے۔ایمان ویقین ہی زندگی کی مشین کو صحیح رخ پر متحرک رکھتا ہے۔ ایمان یقیناً انسان کو تخریبی کارگزاریوں سے روکتا ہے اور تعمیری کاموں کی جانب گامزن کرتا ہے' عقیدہ اور ایمان خارجی قانون کے بغیر بھی نتیجہ خیز ہوتا ہے۔سوچئے ذرا کیا ہم واقعی خالق کائنات کے قانون مکافات کو مانتے ہیں؟ اگر مانتے ہیں تو وہاں کام کیوں کرتے ہیں جس سے ہمارے خالق نے واضح طور پر روک دیا ہے۔

کائنات کی بناوٹ ہی کچھ ایسی ہے کہ انسان کی تمام مساعی اور جدوجہد اگر کائنات میں اللہ تعالیٰ کے نافذ کردہ قوانین کے مطابق ہوں تو نتائج خود بخود برآمد ہوتے چلے جاتے ہیں۔اس میں کسی رنگ وروپ' کالے گورے' مومن وفاسق کے درمیان کوئی فرق نہ ہوگا' بلکہ ہر کام کے لئے معین طبعی قوانین کے مطابق اگر کام کیا جائے تو نتیجہ اخذ کرنے والے کی سعی ومحنت کے مطابق برآمد ہوگا: اگر ان قواعد وضوابط کے مطابق عمل نہ ہو تو فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ مطلوبہ نتائج برآمد نہ ہوں کیونکہ کائنات میں اللہ تعالیٰ نے جو قوانین طبعی نافذ کرتے ہیں ان کے مطابق ہی ہر عمل کا نتیجہ برآمد ہوگا۔کسی سائنس دان نے اپنے علم ومشقت سے ریل گاڑی کا انجن بنایا تو وہ ضرور چلے گا۔یہاں یہ نہ سوچئے کہ یہ انجن ایک مسلمان نے بنایا یا کافر نے۔خلاباز اپنے تمام سائنسی علوم کو بروئے کار لاکر آسمان میں جارہے ہیں۔اب خلاباز کافر ہیں یا مومن اس سے فرق نہیں پڑتا۔اگر اپنے علم سے کافر مستفیض ہوتا ہے تو مومن کیوں نہیں علم حاصل کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے صاف صاف اس سلسلے میں فرمادیا ہے۔

''بے شک اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کی حالت نہیں بدلی۔ جب تک (اس قوم کے) لوگ خود اپنے اندر (کی حالت) نہیں بدلتے'' (الرعد:۱۱)

یہاں یہ قانون بیان کیا جاتا ہے کہ حق تو عدل مطلق ہے جو محنت کرے گا وہ پاوے گا۔ یہاں اس تغیر کی نسبت فاعلی قوم کی طرف اشارہ کر کے فرمادیا ہے کہ یہ تبدیلیاں (سائنسی ترقی' علوم جدید وغیرہ) کسی قوم کے اپنے قصد' محنت کے اختیار سے ہوتی ہیں۔ مگر آگے چل کر اسی آیت میں صاف کہہ دیا:

''جب اللہ کسی قوم کی شامت لانے کا فیصلہ کرلے تو پھر وہ کسی کے ٹالنے سے نہیں ٹل سکتی۔ نہ اللہ کے مقابلہ میں ایسی قوم کا کوئی حامی و مددگار ہوسکتا ہے۔''

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ تمدنی و معاشرتی قانون کے مطابق صحیح طریقہ اختیار کر کے ہر وہ قوم ترقی کرلیتی ہے جو استقلال' پامردی' اور نظم وضبط کے ساتھ اپنا عمل جاری رکھتی ہے۔ مسلمانوں نے صحیح عمل پوری سچائی' دیانت داری کے ساتھ اختیار کیا اور قانون کی حکومت قائم کی تو صدیوں تک عزت و وقار کے ساتھ خطہ ارضی پر حکمرانی کرتے رہے۔ مگر جب ان کے کردار' اخلاق' جدوجہد میں کمزوریاں' تبدیلیاں پیدا ہوگئیں تو ان سے بہتر کردار و اخلاق کی حامل قومیں ان پر غالب ہوتی چلی گئیں۔ حتیٰ کہ انگریز سات سمندر پار سے آکر ان پر حکمران ہوگئے۔ یہ لوگ اپنے قانون' علم ومحنت میں مخلص تھے۔ عدل وانصاف کی صلاحیتیں ان میں موجود تھیں۔ وہ انفرادی طور پر سیرت اور اچھے اوصاف کے مالک تھے اور معاملات کی صفائی ان کا شعار تھا' اس سے اخذ کیا جاسکتا ہے۔ کہ طبعی اور معاشرتی قوانین سے مقررہ نتائج بغیر ایمان کے بھی پیدا کئے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے نافذ کردہ قوانین طبعی کے مطابق انسان کی تمام مساعی کے نتائج خود بخود اس کے بموجب برآمد ہوجاتے ہیں۔ ان قوانین طبعی اور ان کے نتائج میں تغیر و تبدل کا گزر تک نہیں ہوتا۔ گلاب کا پودا لگائیں گے تو گلاب کا پھول نکلے گا' گوبھی کا پھول نہیں نکلتا۔ یہ پودا چاہے مومن لگاتا ہے یا مشرک اس سے فرق نہیں پڑتا۔

اگر انسان پر حیوانیت غالب آجائے تو وہ کتنا بھی ایمان رکھتا ہو۔ زبان سے اقرار بانگ دہل کرتا ہو مگر اپنے علم کو تخریبی وسائل کے حوالے کردیتا ہے اور معاشرے کو ان کارروائیوں سے تہس نہس کردیتا ہے تو یہ اس کی اپنی استطاعت کی وجہ ہوتی ہے۔ اس میں اپنی قوت ارادی شامل ہوتی ہے اللہ کی مرضی نہیں۔

ایمان کے اصل اصول بیان کرتے وقت قرآن اکثر اعمال صالحہ کو ان کے ساتھ ملا کر بیان کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کا محض لفظی اقرار یا مبہم ذہنی تصور کافی نہیں ہے۔ تو ایسا ایمان جس سے اعمال صالحہ صورت پذیر نہ ہوں اور اس میں عمل کے لئے قوی محرک بننے کی صلاحیت موجود نہ ہو تو محض یہ ایک قسم کی رائے بن کر رہ جاتا ہے۔ بات یوں سمجھ لیں کہ اللہ کا وجود ہم سے قریب تر ہے یہ اس تصور سے پیدا ہوتا ہے کہ عبادت اللہ تک رسائی کا حقیقی و موثر ذریعہ

ہے۔ اللہ اور انسان کا تعلق یک طرفہ نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک باہمی ارتباط ہے۔ ایمان واعتقاد قلب میں داخل ہو کر زندگی کو اندر ڈھالنا شروع کر دے گا۔ اگر ایسا نہیں تو آپ کے اعتقاد و ایمان ضعیف ہیں آپ پر ہنوز بے اعتقادی کا غلبہ ہے۔ باطنی اعتقاد کے بغیر ظاہری پابندی کم قدر و قیمت رکھتی ہے۔

ایمان اور اسلام:

اسلام اللہ پر ایمان کو مذہب کا حقیقی جزو لاینفک قرار دے کر اس کو پھیلا دیتا ہے اور ان لازمی نتائج کو اس سے وابستہ کر دیتا ہے۔ اللہ پر ایمان سے حیات بعد الممات اور اعتقاد بالغیب کو مضبوط کر دیتا ہے۔ ایمان بالغیب کو ذرا گہرائی میں اتر کر دیکھیں تو اسلام اور ایمان کے مابین ربط' علت و معلول یک ہی نوعیت کی ملے گی۔ بس یوں سمجھ لیں اگر ایمان سرسری طرز کا ہوگا تو اسلام بھی سطحی ہوگا۔ ایمان صرف زبانی قول و قرار تک ہے تو اللہ کی تابعداری بھی زبانی کلامی ہوگی۔ اگر ایمان پختہ ہے تو اسلام بھی حقیقی اور واقعی ہوگا۔ ایمان اور اسلام کے مابین ربط و تعلق کو بعض دوسرے ارباب علم و دانش نے مثالیں دے کر واضح کرنے کی دلنشین کوششیں کی ہیں۔

مثلاً اسلام کے نظام کو اگر ایک عمارت سے تشبیہ دی جائے تو ایمان اس عمارت کی بنیاد ہے یوں کہہ لیں کہ پائیدار اور مضبوط عمارت وہ ہی ہوتی ہے جسکی بنیاد ٹھوس اور پختہ ہو۔ اسی طرح مضبوط ایمان کی بنیاد پر ہی اسلام کی عمارت قائم کی جاسکتی ہے۔ یہ ہماری بڑی کمزوری ہے کہ ایمان کو پختہ کئے بغیر اسلامی احکام کی بجا آوری کی امید رکھتے ہیں

یہ ہماری بڑی کوتاہی ہے کہ کمزور ایمان کو پختہ کئے بغیر اسلامی احکام کی بجا آوری کی امید رکھتے ہیں۔ یہی مفاد عاجلہ یعنی دینوی زندگی کے عارضی اور ادنیٰ مفاد کی خاطر اپنی نسل کو وہ تعلیم دلائی جاتی ہے۔ جو بالآخر دیر یا بدیر رنگینیوں' دلفریبیوں میں مبتلا کر کے رکھ دے گی۔ کیوں؟ خوب سمجھ کر پڑھیے۔

اس مادہ پرستی کے دور میں اور خیر سے ''میڈیا'' کے ماحول میں نئی نسل کو ویسے ہی اسلام کے تقاضوں سے دور کر دیا اور ہمارے دشمن بھی یہی چاہتے ہیں۔ کیونکہ پرانی نسل میں اب بھی کچھ صاحب ایمان موجود ہیں اس لئے ان کے وسیع الدشمنی اسلام کے پروگرام میں نئی نسل کو بے دین بنانے کی اسکیم مکمل طور پر اس طرح غالب آرہی ہے کہ کچھ ''میڈیا'' سے نسل کو گمراہ کریں اور کچھ انگریزی تعلیم کے مروج طریقوں سے۔ 'او لیول' اور 'اے لیول' کی اسکیموں سے نئی نسل میں اسلام کی بابت سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مزید محدود اور مفقود ہو کر رہ جائیں۔ ہماری دینوی محرومیاں بڑھتی چلی جائیں گی۔ ہم نئی نسل سے مذہب کے معاملے میں صاف اور کھلی بات کرتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ کہیں یہ نسل دین سے کھلم کھلا سرکش اور باغی ہو کر نہ رہ جائے۔ موجودہ تعلیم پانے والے کے پاس اتنا وقت ہی نہیں کہ وہ یہ بات پڑھنے اور سوچنے کے لئے وقت نکالے۔

ستم بالائے ستم انگریزی سکول میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی بجائے بچوں کو سکھایا جاتا ہے کہ جب کوئی کام

شروع کرو تو کہا کرو: "Begin with the Name of God, Beneficient & Mercifull"

لیجئے صاحب پڑھانے والے سچے بن گئے کہ ہم اسلام کی تعلیم بھی دیتے ہیں اور بچوں کو کہتے کہ کام شروع کرنے سے پہلے یہ پڑھا کرو۔ اب ان سے کوئی پوچھے عیسائی' یہودی' ہندو سب اپنے خدا کو God ہی کہتے ہیں اور اسی طرح کہتے ہیں۔ آپ کے مذہب اور ان کے مذہب میں کتنا فرق رہ گیا۔

آفاق وانفس:

افسوس ہے کہ مسلمانوں نے آفاق وانفس (یعنی ہمارے اندر کے باہر کی ساری کائنات) کے مطالعہ پر زور دیا۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس طرح لگائیں کہ قرآن کریم میں صرف آفاق کے مشاہدے کے ضمن میں کم وبیش سات سو آیات نازل ہوئیں اور بے شمار نفسیاتی حقائق سے استشہاد کیا۔ یہ قرآن کا ہی انداز واسلوب ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دورِ عروج میں آفاق وانفس کے تمام گوشوں اور پہلوؤں سے متعلق سائنس کے جملہ شعبوں کے ذخیرہ کو معلومات سے بھر دیا اور فی الجملہ قافلہ انسانیت کو جہالت اور توہمات کی تاریکیوں سے نکال کر مشاہدہ وتجربہ' تحقیق وتفتیش اور ایجاد واختراع کی شاہراہ پر ڈال دیا۔ چنانچہ یہ مسلمہ امر ہے کہ یورپ ومریکہ میں احیائے تعلیم کی پوری تحریک عربوں کی گود میں پلی بڑھی جس نے انہیں جدید سائنس اور ٹیکنالوجی تک پہنچا دیا۔

زمانے بدل گئے مسلمانوں نے آفاق وانفس کی جانب سے نگاہیں بند کرلیں۔ نتیجہ ایمان محض ایک متوارث نظریے اور ماوراء عقل عقیدے کی صورت اختیار کر گیا اور اسلام نے چند بے روح رسوم کی شکل اختیار کرلیں اور ہماری نسل نو پھر ان کی طرف نگاہیں اٹھانے لگی جنہوں نے اسلام کی پختہ اساس اور محکم بنیاد میں سوراخ کر کے رکھ دیئے تھے۔ اسلام کی پیش کردہ تعلیمات خدا پرستی کو عملاً جانچا جاچکا ہے۔ اور یہ پایا گیا ہے کہ یہ حیات وعلم کی ممد ومعاون ہیں۔ اسلام نے انسانیت کی جو زبردست خدمت کی وہ اللہ تعالیٰ کی رفعت' شان اور لطافت بیان سے نمایاں ہوتی ہے۔ اسلام نے اس امر کی جدوجہد کی کہ انسانیت کو ایک طرف باطل خداؤں کی کثرت سے نجات دے دوسری طرف اوتار پرستی سے آزاد کرے تاکہ انسان ان دیکھے اللہ کی طرف رجوع ہو سکے۔ قرآن میں دیکھئے:

(ترجمہ) ''وہ تمہیں دیکھتا ہے لیکن تمہاری آنکھیں اس کی دید سے قاصر ہیں۔'' (الانعام۔ ۱۰۳)

اسلام کا موقف صرف یہ ہے کہ: ''اللہ کی ذات حق ہے' وہ صداقت کی تخلیق کرتا ہے۔ وہ کسی چیز کو پیدا کرتا ہے پھر اس کو حسن وخوبی بخشتا ہے۔'' (السجدہ۔ ۷)

اللہ سے ڈرو: اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کے لئے صرف ایک ہی نظام زندگی اور ایک ہی طریقہ حیات درست اور صحیح ہے اور وہ یہ کہ انسان جل شانہ کو اپنا مالک ومعبود تسلیم کرے۔ اس کی اطاعت وبندگی کے خود نئے طریقے ایجاد نہ کرے۔ قرآں فرماتا ہے:

ترجمہ: بے شک جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں بے دیکھے ہوئے ان کے لئے معافیاں اور بخشیں اور اجر عظیم ہے" (الملک۔۱۳)

یہ خشیت الٰہی ہی تو ہے جو انہیں ایمان واطاعت کی طرف لاتی ہے۔ایمان لانے کے لئے قرآن میں غیب پر ایمان لانے کی شرط رکھی ہے۔غیب سے مراد وہ حقیقتیں ہیں جو انسان کے حواس سے پوشیدہ ہیں اور براہ راست عام انسان کے تجربے اور مشاہدے میں نہیں آسکتیں۔مثلاً اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات' صفات ملائکہ' جنت ودوزخ' یوم الحساب' ان حقیقتوں کو بغیر دیکھے مان لینا ایمان بالغیب کہلاتا ہے۔جو شخص ان غیر محسوس حقیقتوں کو ماننے سے انکار کرے اس کا ایمان درست نہیں یا یوں شرط رکھے کہ وہ ایسی چیز ماننے کو تیار نہیں۔جو عقل سے ماورا ہو جو کمپیوٹر نہ بتائے' وہ ایماندار نہیں کہلایا جاسکتا۔

اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی یعنی وہ اللہ جو کائنات کی تمام حقیقتوں کا براہ راست علم رکھتا ہے جو تمام موجودات کو بے حجاب دیکھتا ہے۔جس کی نگاہ سے زمین وآسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔یہ اس کی شہادت ہے' اس سے بڑھ کر اور معتبر شہادت نہیں مل سکتی کہ اس کائنات اور تمام عالم وجود میں بس کی اپنی ذات کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں جو خدا کی صفات سے متصف ہو۔اللہ فرماتا ہے :

"جو لوگ اللہ کے احکام کو ماننے سے انکار کرتے ہیں اور اسکے پیغمبروں کو قتل کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو قتل کرنا چاہتے ہیں جو خلق خدا میں عدل کا حکم دیتے ہیں انہیں دردناک عذاب کی خبر دی جائے یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا وآخرت دونوں ضائع ہوگئے ان کا اب کوئی مددگار نہیں ہوگا۔" (العمران۔۲۲۔۲۱)

یہ طنزیہ انداز بیان بتاتا ہے کہ جن کرتوتوں پر آج تم خوش ہو رہے ہو اور سوچ رہے ہو کہ ہم خوب عیش کرتے ہیں۔تمہارے پوشیدہ اعمال بھی جو تم ظاہر نہیں کرتے ہو جانتے ہیں اور ہم تمام معاملات دیکھ رہے ہیں۔بات یہ ہے کہ یہ ایک نظریاتی امر ہے کہ جب انسان ایک طرف تو اللہ کو نہ ماننے والوں کے کرتوت دیکھتا ہے کہ دنیا میں کس قدر پھل پھول رہے ہیں اور دوسری طرف پڑھتا ہے قرآن میں:

"میں جس کو چاہوں حکومت دوں' جس کو چاہوں نہ دوں۔جسے چاہوں عزت دوں جسے چاہوں ذلیل کروں اور جس کو چاہوں بے حساب رزق دوں" (العمران۔۲۶)

تو کمزور ایمان والے یہ سوچتے ہیں کہ جب اللہ میاں حکومت' عزت' ذلت' رزق اپنی مرضی سے ہی دے دیتا ہے اور ایمان نہ لانے والوں کو بھی فی زمانہ عزت اور دولت وحکومت کے بام عروج پر بٹھا رکھا ہے۔تو اسکی اطاعت' عبادت' تابعداری کا فائدہ کیا بنے گا۔اس سے بہتر جو عیش' آرام یہاں جس طرح بھی دولت حاصل کر کے مہیا ہو سکے کرلیا جائے۔"عاقبت کی خبر خدا جانے" یہ اوہام' یہ دل شکنی انسانی فطرت کے مقتضی ہے اور اس طرح اس کے دل میں

عجیب حسرت آمیز استفہام گردش کرتے رہتے ہیں۔

اللہ کی حاکمیت مان لینے کے بعد بس یہ نہیں کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں' وہ مالک ہے' خالق ہے کہہ کر چپ کر کے بیٹھ جائیں بلکہ اس کے ارشادات پر عملی اطاعت' ایمان لانے کے بعد اس پر عمل ایمان کا جزو لاینفک ہے۔ عملی اطاعت کی اولین شرط اور دائمی علامت نماز ہے۔ آپ کے کانوں میں مؤذن کی آواز آتی ہے' ''آؤ نماز کی طرف'' ..... ''آجاؤ بھلائی کی طرف''..... بازار میں نظر دوڑائیں کتنے لوگ جاتے ہیں نماز کی طرف۔ بس فیصلہ آپ خود کرلیں۔

حضرت دَرداؓ مدینہ منورہ میں لوہار تھے۔ گیس تو تھی نہیں' لکڑیاں جلا کر لوہا سرخ کیا جاتا تھا۔ جس کو آپ کوٹ کر سامان بناتے تھے۔ لکڑی جلانے سے مشقت کے بعد لوہا سرخ ہوتا تھا۔ ایک دن گھنٹوں کی محنت کے بعد لوہے کو سرخ کیا۔ کوٹنے کے لئے ہتھوڑا اٹھایا ہی تھا کہ اذان کان میں آئی۔ آپؓ نے ہتھوڑا پھینک دیا۔ کسی نے پوچھا کہ یہ تم نے کیا کیا۔ وہ ہتھوڑے مار کر اسے سیدھا کر لیتے۔ اب لوہا ٹھنڈا ہو جائے گا۔ پھر سرخ کرنا مشکل ہوگا۔ آپؓ نے فرمایا کہ: ''میں نے حضورﷺ سے سنا ہے کہ مؤذن کی آواز آنے کے بعد نماز کی طرف دوڑو۔ اذان کی آواز آنے کے بعد سب کام حرام ہیں۔ نماز کے بعد پھر کام میں لگ جاؤ۔''

انسان مؤذن کی آواز پر جب لبیک کہتا ہے اسی وقت معلوم ہو جاتا ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والا اطاعت کے لے تیار ہے یا نہیں۔ ترک نماز دراصل ترک اطاعت ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اس ہدایت پر کاربند ہونے کے لئے تیار نہیں وہ اطاعت گزار کیسے بنا۔ اس کے لئے ہدایت پانا نہ پانا یکساں ہے۔

آزمائش شرط ہے:

آپ کو خوب تجربہ ہے کہ آپ نے ایک سال بڑی محنت کی۔ دسویں کلاس میں ٹیوشن بھی رکھی۔ رات بھر جاگ کر سائنس کے سوال رٹتے رہے۔ امتحان کا خوف تھا۔ یہ امتحان کی آزمائش تھی۔ جب تک امتحان سے نہیں گزرے کامیاب نہیں ہوئے۔ آپ اعلیٰ تعلیم یافتہ اگر ہیں تو سوچئے اس اعلیٰ تعلیم کو حاصل کرنے کیلئے کن کن آزمائشوں سے گزرے تب جا کر اپنے سینہ پر کانووکیشن سے سند حاصل کر کے سجائی۔

بس سمجھ لیں اس رہتی سہتی دنیا میں آپ نے سچ مچ اچھے کام کئے۔ نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ تمام ارکان حسب توفیق ادا کرتے رہے مگر اللہ کی مرضی یہی ہے کہ آپ سب آزمائشوں سے گزریں۔ ان آزمائشوں سے گزرتے وقت آپ صبر کا دامن نہ چھوڑیں۔ اللہ سے خیر و عافیت کے طلبگار رہیں' اپنی اطاعت و فرمانبرداری میں فرق نہ آنے دیں۔

یہ مسئلہ آزمائش صرف آپ کے لئے نہیں۔ ان آزمائشوں سے تو اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے پیغمبر گزر چکے ہیں انفرادی طور پر تفصیل نہیں لکھ سکتا۔ امام الانبیاء حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ کیا بیتی۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو آرے سے چیر دیا گیا۔ حضرت یحییٰؑ کی گردن کاٹی گئی۔ حضرت موسیٰؑ نے کیا کیا تکلیفیں نہ اٹھائیں۔ ہمارے خاتم الانبیا کن کن

صعوبتوں سے گزر کر مدینہ پہنچے وہاں بقایا زندگی آرام و آسائش سے نہ گزری۔ حضرت عمرؓ عثمانؓ علی رضوان علیہم اجمعین کو شہید کیا گیا۔

امام حسینؓ کا سر کاٹ کر بدبختوں نے دمشق نیزے پر بھیجا۔ امام حسنؓ اور امام علی رضاؒ کو زہر دیا گیا۔ امام ابوحنیفہؒ ' امام حنبلؒ ' کے ساتھ کیا نہ ہوا۔ خلیفہ وقت نے کوڑے لگوائے۔ الغرض جب ان عظیم ہستیوں کو آزمائشوں سے گزرنا پڑا تو سوچئے ہماری کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔

آزمائش اور ابتلاء' مصیبتیں اور تکلیفیں' مالی' وجانی نقصان انسانی زندگی کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں۔ خطرات' پریشانیوں میں ہی ایمان باللہ کا حقیقی امتحان ہوتا ہے۔

گویا اسلامی زندگی مکمل طور پر ایثار و قربانی' عشق کی ولولہ انگیزی اور سرفروشی کا نام ہے' یہی جہاد ہے' یہی قربانی ہے۔ اس چیز کے لئے قرآن نے فی سبیل اللہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یعنی سبیل اللہ۔ اللہ کی اطاعت اور اس کی بات کو سربلند کرنے کا نام ہے۔

قرآن نے واشگاف الفاظ میں بتا دیا ہے کہ خطرات کا خوف' بھوک کی تکلیف' مالوں اور جانوں کا نقصان' پیداوار میں خسارہ کے ذریعہ تمہیں آزمائش میں ڈالا جائے گا۔ آزمائش تھوڑی ہو یا بہت' انسان کو تکلیفوں اور مصیبتوں میں ڈال کر تمہارا امتحان لیا جائے گا۔ یہ قرآن کی بلاغت ہے کہ وہ ایسا اسلوب بیان اختیار کرتا ہے کہ جس سے جذبات میں انگیخت پیدا ہو جائے۔ یہ قرآن ہی کا اعجاز ہے کہ موقع اور مقام کی رعایتوں' نزاکتوں کا التزام برقرار رکھتا ہے۔

قرآن پاک میں سورۃ البقرہ پڑھئے:

(ترجمہ) ''اے ایمان والو صبر اور نماز سے استعانت اختیار کرو۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ..... ہم تمہیں آزمائشوں میں ڈالیں گے خوف سے (ڈرا کر' کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے) روٹی سے (بھوک سے) مالوں سے ثمرات سے (مفسرین نے کہا ہے تمہاری اولاد بھی ثمر ہے) پیداوار میں خسارے سے اور جو لوگ صبر کریں گے (اس نقصان پر) اور کہیں گے ہر چیز اللہ کی ہے اور اس کی طرف لوٹ کر جانی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اس (رب العالمین) کی رحمتیں نازل ہوں گی۔ اور یہی اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے'' (البقر۔۱۵۶۔۱۵۳)

اس قاعدہ کلیہ سے نہ کوئی امیر مستثنیٰ ہے نہ کوئی غریب۔ نہ تاجر نہ ساہوکار۔ نہ مزدور نہ سرمایہ دار۔ الغرض اس سے ہر انسان مراد ہے۔ اس میں سے انبیاء علیہم السلام' صحابہ کرام' اولیاء' اصفیاء بھی مستثنیٰ نہ تھے۔ بحیثیت انسان ہر شخص آزمائش سے گزرتا ہے۔ ہم دو لفظوں میں بات ختم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی یہی ہے کہ اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے آزمائش شرط ہے۔